افکار امام خامنہ ای میں خاندان کی تربیت
گام دوم انقلاب کے تناظر میں

اشرف سراج گلتری[1]

خلاصہ:

یہ بات تجربے سے ثابت ہے کہ انسان کو جہالت سے نبرد آزما ہونے کے لئے ایک طویل مدت علم حاصل کرنا پڑتا ہے، پھر بھی کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں ملتی، مگر علم تربیت کے ساتھ ہو تو جاہلیت کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ قرآن کریم میں واضح طور پر موجود ہے کہ انسانی معاشرے کی ترقی کے لئے حصول علم کے ساتھ بچے کی تربیت کے لئے اسباب فراہم کرنا بھی ضروری ہے تاکہ صرف معلومات کو اکھٹی کرنے کے بجائے معنوی طور پر بھی شرف و کرامت کا جلوہ انسان کے وجود میں دیکھائی دے۔ لیکن انسانی معاشرے میں تربیتی پہلو کو نہ صرف تعلیمی نظام میں نظر انداز کیا گیا ہے، بلکہ گھروں میں بھی بچے کی تربیت کے اسباب میسر نہیں ہیں، جس کی وجہ سے آج کا انسانی معاشرہ صرف مادی طور پر ترقی کر رہا ہے، لیکن ایک مہذب تہذیب و تمدن قائم کرنے سے قاصر رہا ہے۔

امام خامنہ ای نے گام دوم کے مراحل میں سے ایک مرحلہ تہذیب و تمدن کو قرار دیا ہے اور ایک انسان ساز تہذیب و تمدن کی ضرورت و اہمیت کو قرآنی آیات کی روشنی میں بیان فرمایا ہے اور اس مہذب تہذیب و تمدن کی بنیادی اکائی خاندان کو ہی قرار دیتے ہیں۔ جب تک گھر کا ماحول سازگار نہ ہو انسانی معاشرے کے لئے امنیت اور سلامتی کا باعث نہیں بن سکتا اور قرآنی تعلیمات کی رو سے "خونی رشتوں کا تقدس، آپس میں الفت، محبت، ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرنا، والدین اور شوہر کے معقول حکم پر عمل کرنے کی بھی تلقین کرتے ہیں"۔ امام خامنہ ای کی نگاہ میں آدمی کو صرف اچھا ملازم یا اچھی مہارت رکھنے والا فرد بننا کافی نہیں ہے، بلکہ معاشرے کے لئے ایک اچھا فرد، ماں، باپ کا فرمانبردار اور ایک موحد انسان بننا چاہئے۔ امام خامنہ ای نے مغربی تہذیب و تمدن کے ان تمام اصولوں پر بھی خط بطلان کھینچا ہے کہ جو قرآن کے خاندانی نظام اور تربیتی اصولوں کو بیہودہ اور خود ساختہ قرار دیتے ہیں۔ لہذا اس مقالے میں امام خامنہ ای کے ان فرمودات اور تحریروں کا تحقیقی اور تحلیلی جائزہ لیا گیا ہے جن میں خاندانی نظام کی اہمیت، تربیت کے اہداف، اصول اور عوامل کو قرآنی آیات کی روشنی میں پیش کئے ہیں۔

کلیدی الفاظ: خاندان، افکار، تربیت، قرآن، امام خامنہ ای

---

[1] کارشناسی ارشد، مدرسہ امام خمینی، مجتمع قرآن وحدیث، شعبہ تفسیر۔

a.seraaj۵۱۲@gmail.com

مقدمہ

انسانی معاشرہ روز بہ روز شائستہ تہذیب و تمدن کو کھو رہا ہے، انسانی تہذیب و تمدن کا یہ زوال مغرب سے شروع ہوا۔ جب کچھ مغربی دانشوروں نے دین کے خلاف تحریک چلائی، ان کا نظریہ یہ تھا کہ دین انسان کو قیود میں ڈال دیتا ہے اور انسان کو آزاد رہنا چاہئے۔ لہذا انہوں نے دین کے ان تمام اقدار اور احکام سے گریز کیا جو انسان کی اجتماعی زندگی میں دخل رکھتے ہیں۔ پھر انہوں نے دین کو نہ صرف فردی معاملہ سمجھا، بلکہ معاشر کے دیندار فرد کو معاشرے سے ہی نکال کر شہر یا گاوں کے کنار پر خانقاہ یا چرچ پر بیٹھا دیا۔ اس کے بعد انہوں نے چرچ اور خانقاہ سے رہبانیت اور دین کے نام کچھ ایسے مظالم اور گھناونے کام کروائے کہ جس سے عام عوام بھی دین سے بیزاری کا اظہار کرنے لگی۔ یوں مغربی معاشرے کی تربیت ان مادہ پرستوں کا پاس چلی گئی کہ جن کی نگاہ میں انسانی زندگی کا ہدف صرف دنیا اور اسی کی لذتوں کا حصول تھا۔ جس کی وجہ سے ہر انسان نے اپنی ذاتی آسائش کا سوچا، کسی دوسرے فرد کا بوجھ چاہئے قریبی رشتہ دار مثلا بوڑھے ماں، باپ، چھوٹے بہن، بھائی، چھوٹے بیٹا، بیٹی ہی کیوں نہ ہوں، اپنی زندگی میں شامل کرنا اپنے اہداف کے حصول کے لئے رکاوٹ سمجھا۔ اس بوجھ سے بچنے کے لئے مغرب نے سیکس فری ماحول، ہم جنس پرستی کی اجازت، اولڈ ہاوس، چائلڈ ہاوس وغیرہ کے اقدام اٹھائے۔ جو آہستہ آہستہ مغربی ممالک میں ایک تہذیب و تمدن کی شکل اختیار کر گئی ہے، جس میں انسان اکھٹے تو رہتے ہیں، مگر رشتوں کے باہم تقدس، پیار و محبت اور شفقت کا فقدان ہو تا ہے۔ اور انسان اجتماع میں رہ کر بھی اکیلے پن کا شکار ہو تا ہے اور مایوسیاں آکر گھیر لیتی ہیں۔ اس کے مغربی تہذیب و تمدن انسانیت سوز اثرات آہستہ آہستہ مسلم معاشروں کی تہذیب و تمدن میں بھی مرتب ہوئے اور اسلامی تہذیب و تمدن کا بھی زوال شروع ہوا۔

اسلامی تہذیب و تمدن کے اس زوال کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ مسلمان اپنی زندگی کے بنیادی اہداف اور اصول بھول چکا ہے، مغربی تہذیب جو انسان کو چوپایوں کی ایک قسم تسلیم کرلیتا ہے اور چوپایوں کے طرز زندگی کو اپنانے کی ترغیب دیتی ہے، ناداں مسلماں بھی ان کی اس بات کو بھاور کر بیٹھے ہیں۔ جبکہ پرودگار عالم نے انسان کو تمام "مخلوقات سے افضل اور انسان کی خلقت کو احسن تقویم قرار دیا ہے" اسے بھول بیٹھا ہے۔ اللہ نے اس انسان کی تربیت کے لئے انبیا بھیجے، کتابیں نازل فرمائی، اس کی پرورش کے لئے خاندانی نظام بخشا، جس کی وجہ سے اسے ماں کی ممتا، باپ کی شفقت، بھائی کا پیار، بہن کی الفت ملی، یہی نہیں پیدائش سے لے کر اس کے پڑھ، لکھ کر کچھ بننے تک کے اخراجات اور نخرے خاندان نے اٹھائے، اسی خاندانی نظام کو مغرب کے ان دانشوروں کی باتوں کی نذر کر رہا ہے جو ان تمام چیزوں سے محروم رہا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ کچھ مغرب پسند مسلم دانشور اس مادر پدر آزاد تہذیب اور تمدن کو ہی انسانی معاشرے کی ترقی کا راز سمجھتے ہیں، اور مسلم معاشروں کے لیے بھی نمونہ عمل بنا کر پیش کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اس کے مقابلے میں رہبر معظم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلامی تربیت کے جو مبانی اور اصول پیش کیے ہیں وہ یقنا مسلم معاشرے کے لئے قابل تقلید ہیں۔

مفہوم شناسی

لفظ "خاندان" کی تحلیل

خانوادہ فارسی کا لفظ ہے، جو اردو میں بھی مستعمل ہے، اردو میں اس کا متبادل لفظ گھر ہے، خانوادے میں عموما میاں، بیوی، والدین اور بہن، بھائی شامل ہوتے ہیں، بعض اوقات دیگر افراد بھی اس فہرست میں شریک ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد الہی ہے: قُلۡ إِن كَانَ ءَابَآؤُكُمۡ وَأَبۡنَآؤُكُمۡ وَإِخۡوَٰنُكُمۡ وَأَزۡوَٰجُكُمۡ وَعَشِيرَتُكُمۡ (توبہ، آیہ ۲۴) (کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی) میں خانوادے کے اعضا کو بیان فرمایا ہے۔

لیکن عورت ہی خاندان یا گھر کی محور ہوتی ہے، عورت کی یہ محوریت ماں کے رشتے یا پھر بیوی ہونے کی وجہ سے ہے۔ عورت گھر کی بنیادی اکائی ہے کہ جو گھر کی فضا میں الفت اور محبت کی خوشبو بکھیرتی ہے اور آرام و سکون کی فضا پیدا کرتی ہے، یہ کردار عورت ماں اور بیوی دونوں رشتوں کی حیثیت ادا کرتی ہے۔ جیسے رہبر معظم قرآن مجید کی سورہ احزاب کی آیت «انّ المسلمین و المسلمات و المؤمنین و المؤمنات و القانتین و القانتات و الصّادقین و الصّادقات و الصّابرین و الصّابرات و الخاشعین و الخاشعات و المتصدّقین و المتصدّقات و الصّائمین و الصّائمات و الحافظین فروجھم و الحافظات و الذّاکرین الله کثیرا و الذّاکرات» کے ذیل میں بیان فرماتے ہیں۔ "خاندان کے موضوع کے متعلق بہت سی باتیں ہیں، زوجیت کا مسئلہ، ماں کے کردار کا مسئلہ، ان چیزوں پر الگ الگ بحث ہونی چاہیے، عورت خاندان کے اندر زوجہ کا کردار ادا کرتی ہے، اگر وہ ماں نہیں ہے تب بھی یہ کردار اپنے آپ میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ فرض کیجئے کہ کوئی عورت ماں نہیں بننا چاہتی یا کسی اور وجہ سے اس کے ہاں بچے کی پیدائش ممکن نہیں ہے تو بھی وہ بہر حال زوجہ ہے۔ زوجہ کے کردار کو بھی معمولی نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ایک مرد معاشرے میں تعمیری کردار کا حامل بنے تو گھر میں اس کی بیوی کا ایک اچھی زوجہ ہونا لازمی ہے ورنہ یہ مقصد کامل نہیں ہو سکے گا۔"

بہر حال "خانوادہ" میں شامل والدین، اولاد، بہن، بھائی، میاں، بیوی ہوں یا رشتہ دار، ضرورت اس بات کی ہے کہ گھر میں تربیت کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں اور گھر کے افراد میں خدا ترسی، آپس میں پیار و محبت کے گہرے تعلقات، اعتماد اور تعاون کا جذبہ موجود ہوں۔

لفظ تربیت کی لغوی تحلیل

لفظ تربیت کو مادہ "ربب" اور "ربو" دونوں سے لیا گیا ہے۔ جیسے ابن منظور لفظ تربیت کا ریشہ اصلی "ربب" کو مانتا ہے، اور راغب اصفہانی لفظ تربیت کا ریشہ اصلی "ربو" ہونے کے قائل ہیں۔ (لسان العرب، بیروت، دارالاحیاء التراث العربی۱۳۱۶، مفردات القرآن بیروت، دارالتعارف)

ان دونوں نظریوں کو مد نظر رکھ کر لفظ تربیت کی اصل اگر "ربب" کو مانیں تو یہ سرپرستی، مالکیت وغیرہ کے معنی میں استعمال ہو گا اور ربو سے لیا جائے تو پالنا، پوسنا اور دیکھ بال کے معنی میں استعمال ہو گا اور اسلامی مفسرین نے بھی قرآن و حادیث اور دعاوں میں، سیاق و سباق کو دیکھ کر لفظ "رب" کا معنی انہی دو مادوں میں سے ایک کا کیا ہے۔ جیسے صاحب عروہ لکھتے ہیں کہ تربیت کے لیے بہت سے معنی ذکر ہوے ہیں مگر صیغے ربو سے لیا جائے تو اس کا معنی تغذیہ، نشو نما، تک محدود ہو گا۔ (طباطبائی، سید محمد کاظم یزدی تفسیر سورہ حمد لفظ رب کے ذیل میں)۔ اور یہ نکتہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ لفظ رب اگر بغیر اضافہ کے ذکر ہو جائے تو پروردیگار ہی مراد ہو گا اور اگر نسبت کے ساتھ ذکر ہو تو پھر اس سے انسان بھی مراد ہو سکتا ہے۔ جیسے رب الولد، رب الابل۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ لفظ تربیت "ربب" سے ماخوذ ہو تو ذہنی، فکری، عقلی اور معنوی تربیت کا معنی دے گا اور "ربو" سے ہو تو، جسمانی تربیت مراد ہو گی۔

لفظ تربیت کا مفہوم

انسان کو تدریجا، ذہنی، فکری اور جسمانی طور پر حد کمال تک پہنچانا، ان کی صلاحیتوں کو نکھارنا، باالفاظ دیگر بچے کی پیدایش سے لے کر موت تک جو ذہنی، فکری اور جسمانی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اور جس کی وجہ سے جو مختلف ضروریات پیش آتی ہیں، ان کو مد نظر رکھ کر درست راہنمائی کے ساتھ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کا نام تربیت ہے۔ یعنی انسان کی فکر کو مثبت اور درست سمت سے پروان چڑھانا اور جسمانی ضروریات کو متناسب ذرایعے سے پورا کرنا تاکہ فکری اور جسمانی دونوں طرف سے بچہ سالم رہے، پرورش یا تربیت کہلاتا ہے۔

رہبر معظم کے بیانات سے بھی تربیت کا مفہوم تقریبا اسی سے ملتا جلتا نکلتا ہے، جیسے رہبر معظم مربیان سے کہتے ہیں "مربیان چاہتے ہیں کہ انسان کے اندر چھپی خداداد صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں، انہیں چاہئے کہ پہلے ان صلاحیتوں کو پہچانیں، ان کی قدر کو جانیں، اس کے بعد ان کے پیچھے جائیں"۔(بیانات رہبر انقلاب در جلسہ درس خارج فقہ، ۹۱/۱۱/۲۳.)

رہبر انقلاب کا کہنا ہے کہ "انسانی زندگی کے اہم اور موثر مسائل میں سے ایک تربیت ہے۔ تعلیم و تربیت، بہتر زندگی گزارنے اوراپنی ذمہ داری کو اچھی طرح نبھانے کا ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ، انسانوں کے لیے بھی مطلوب ہے۔ ایک اسلامی تہذیب کو قائم کرنے کے لئے دیگر تہذیب کی طرح دو بنیادی عناصر کی ضرورت ہوتی ہے: ایک فکر دینا، دوسرا انسانوں کی تربیت کرنا۔ رہبر معظم مزید فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ملک حقیقی معنوں میں ترقی چاہتا ہے تو سب سے زیادہ توجہ انسان کی تربیت اور انسان کی صلاحیتوں کو نکھارنے پر دینا چاہیے۔"(۱۳۷۵/۱۲/۲۰ بیانات در اجتماع زنان خوزستان)

تربیت کی اہمیت

اسلام میں تربیت کے لئے خاص اہمیت حاصل ہے، ایک مہذب تہذیب و تمدن کا قیام رسول ﷺ کے مشن کے بنیادی مقاصد میں سے ایک تربیت ہے جس کو رسول اللہ نے گھر سے ہی شروع کیا۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے رشتہ داروں سے ہی تعلیم و تربیت کا آغاز کیا، بلکہ ظہور اسلام سے پہلے ہی دیانت، صداقت، امانت، اور شجاعت جیسے اخلاقی اقدار کا نمونہ عمل خود رسول اللہ ﷺ اور امام علی علیہ السلام بنے۔

رسول اللہ کے مبعوث ہونے کے بعد بھی سب سے پہلے اپنے خاندان کے لوگوں کے لئے تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا، جو کہ دعوت ذوالعشیرہ کے نام سے معروف ہے اور اس بات کی تائید قرآن مجید کی آیات سے بھی ملتی ہے کہ رسول اللہ پر سب سے پہلے جو آیات اتری وہ سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات اتریں، اس کے بعد بعض اسلامی مفسروں کے نزدیک کچھ عرصے کے لئے وحی نہیں آئی، جب رسول اللہ کو یہ گمان ہوا کہ میرا رب کہیں مجھ سے ناراض نہ ہوا ہوں تو پھر فورا سورہ مدثر کی یہ آیت ۲ اتری: "يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ"۔ اے (محمد ﷺ) جو کپڑا لپیٹے پڑے ہو، اُٹھو اور ہدایت کرو، اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو۔ اس کے فورا بعد رسول اللہ نے مسلسل تین دن اپنے رشتہ داروں کو دعوت پہ بلا کر انھیں اپنی تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دیں۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پہلے گھر والوں کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرنا انسان پر فرض بنتا ہے، اور ماں، باپ کا ہی فریضہ ہے کہ جب تک بچہ سکول جانے کے لائق نہیں ہوتا اپنے بچے کی تربیت پر خاص دہان دیں، اور پھر سکول جانے کے بعد بھی بچہ بہت سے تربیتی امور میں ماں باپ کی طرف محتاج ہوتا ہے ان کو پورا کریں۔ امام خامنہ ای بھی ایک اچھے خاندان کو معاشرے کی سلامتی

اور ترقی کا راز قرار دیتے ہیں" خاندان کا مسئلہ بہت اہم مسئلہ ہے، یہ معاشرے کی اصلی بنیادوں میں سے ایک ہے، یہ معاشرے کے بنیادی خلیوں سے وابستہ ہے، یہ کہنا مقصود نہیں ہے کہ اگر ایک خلیہ سالم و صحتمند رہے گا تو دوسرے خلیوں کی سلامتی بھی یقینی بن جائے گی اور اگر یہ خلیہ صحتمند نہ ہوگا تو دوسرے خلیے بھی صحت مند نہیں رہیں گے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر خلیہ صحیح و سالم اور صحتمند ہو جائے تو آپ سمجھ لیجئے کہ پورا بدن صحتمند اور سالم ہو گیا کیونکہ بدن خلیوں کا ہی مجموعہ ہے، خلیوں سے ہٹ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ جسم کا ہر عضو خلیوں کا مجموعہ ہے۔ اگر ہم نے ان خلیوں کو صحتمند اور سالم بنائے رکھا تو ہمارا یہ عضو صحتمند رہے گا۔ تو خاندان کا مسئلہ بھی اتنا ہی اہم ہے۔ ملک میں صحیح و سالم، صحتمند، زندہ اور پرجوش خاندانوں کے بغیر اسلامی معاشرے کی پیشرفت ممکن ہی نہیں ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں خاص طور پر ثقافتی شعبے میں اچھے خاندانوں کے بغیر پیشرفت کا امکان نہیں ہوتا۔" (رہبر معظم کا عورت اور خاندان کے موضوع پر تیسرے اسٹراٹیجک اجلاس کے شرکاء سے خطاب)

تربیت کے اہداف

اسلام کے نزدیک اس عالم ہستی کا ایک ہدف و مقصد ہے اور قرآن میں اس ہدف و مقصد کی طرف اشارہ مختلف تعبیرات کے پیراے میں آیا ہے، قرآن کریم نے کبھی بھی یہ نہیں کہا ہے کہ عالم ہستی اور اس کے مرکزی کردار، انسان کی خلقت، بغیر ہدف و حکمت کے ہوئی ہے۔ بلکہ قرآن کی نظر میں انسان کو پیدا کرنے کا ہدف قرب الہی اور کمالات کا حصول ہے، مگر اس دنیا کی رنگینیوں کے درمیان میں رہتے ہوے، انسان کے لئے قرب الہی اور کمالات کے حصولی کا سفر کٹھن اور صبر آزما ہے۔ یہ ایک ایسا سفر ہے جہاں بے آب و گیاہ صحرا، جس میں سورج کی تپش، گرم لو، بیاباں کی سہراب ہیں، اس دشوار راستے کو طے کرنے والے مسافر کی تربیت بھی ایسی نہیں ہونی چاہیے کہ راستے کے درمیان میں مایوس ہو کر بیٹھ جائے اور وہی پر اپنی زندگی کا خاتمہ کرلے، بلکہ ایسی تربیت ہونی چاہیے کہ وہ عزم اور مسلسل جدوجہد کے ساتھ سفر کو جاری رکھ سکے۔ اسلامی گھرانے میں پیدا ہونے والا بچہ جس کی تربیت اسلامی اصولوں کے تحت ہوئی ہوں، زندگی کے پر خطر راستے کی مشکلات اور سختیوں سے نہ گھبراتا ہے اور نہ ہی مادی دنیا میں ناکامی پر مایوس ہو کر زندگی کا خاتمہ چاہتا ہے۔ کیونکہ اسلامی تربیت کا محور صرف مادی فوائد کا حصول اور مادی ترقی پانا نہیں ہے، بلکہ اسلامی تربیت کے بنیادی اہداف توحید، رضوان، کمال اور سعادت ہیں۔ (سورہ کہف ۴۳ تا ۴۴، طباطبائی، محمد حسین، تفسیر المیزان، جلد ۳۹)،

اگر کسی انسان کی تربیت صحیح معنوں میں اسلامی طور و طریقوں سے ہو جائے تو یقیناً وہ انسان کو مادی نقصانات اور زوال کے موقع پر مایوس ہونے نہیں دے گی، اگرچہ مادی نقصانات کی وجہ سے عارضی طور پر صدمہ محسوس کرے گا۔ لیکن جب وہ ان معنوی اہداف کی طرف نگاہ کریں گے تو یقیناً اس کے پاس مزید جینے کے لئے امید باقی رہے گی۔ جیسے ایک عالمی رپورٹ کے مطابق اس مادی

رنگینیوں کے دور میں بھی علماے اسلام میں خودکشی کا عنصر صفر ہے۔ جبکہ مغربی تربیتی نظام سے بننے والی شخصیات ڈاکٹر، سائنسدان، سے لے کر تخت وتاج پر جلوہ افروز حکمراں میں بھی خودکشی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مغربی تعلیم وتربیت انسان کی زندگی کا ہدف فقط مادی ترقی اور کمال کو قرار دے کر انسان کو بند گلی میں لے آتا ہے۔ جب اس کے حصول میں کوئی مشکل آجاے یاناکامی ملے تو انسان حواس کھو بیٹھتا ہے اور اسے زندگی میں تاریکی کے سوا ے کچھ بھی دیکھائی نہیں دیتا، جس سے نکلنے کا واحد حل خودکشی کو ہی سمجھتا ہے۔ جبکہ اسلام انسان کو زندگی کا پہلا ہدف توحید پر ایمان کو سیکھاتا ہے اور اس کے بعد درست راستے کی سمت راہنمائی کرتا ہے اور آخری ہدف ونتیجہ اللہ کی ذات کو قرار دیتا ہے۔ جیسے قرآن میں آیا ہے(يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً)اے نفسِ مطمئن۔ تو اس حالت میں اپنے پروردگار کی طرف چل کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے۔(سورہ فجر آیت ۲۸)اور حدیث میں آیا ہے:(أوّلُ العلم مَعرفةُ الجَبّار و آخرُ العلم تَفويضُ الأمر اليه)؛ سر آغاز علم، شناخت خداوند جبّار اور سرانجام علم اپنے معاملات کو اللہ کے سپرد کرنا ہے۔(غزالی، محمد بن محمد، کیمیای سعادت، ج ۲، ص ۴۰۴، تہران، شرکت انتشارات علمی)

یوں اسلام ہر چیز کی بازگشت کو اللہ کی طرف قرار دیتا ہے جس کی وجہ سے اسلامی تربیت پانے والا انسان زندگی کی ہر مشکل اور ناکامی میں بھی مطمئن رہتا ہے۔ کیونکہ اس کا ہدف فقط دنیائی مقام نہیں ہوتا بلکہ اس سے ہٹ کر بھی ایک اعلی مقام ہوتا ہے جس پر اس کی نگاہیں ہوتی ہے۔ رہبر معظم بھی تربیت کے بنیادی اہداف کو کمال اور سعادت تک رسائی کو قرار دیتے ہیں۔ جیسے تشخیص مصلحت نظام کمیٹی کے جلسے میں انقلاب اسلامی کے بنیادی آئین کی دفعہ ۱۱۰ کی شق کے نفاذ واجراء کے سلسلے میں ملک کے تعلیمی اور تربیتی نظام میں تحول ایجاد کرنے کے لئے کلی پالیسیوں کو پیش کیا تھا اس کے شروع میں ہی انسان کو کمال تک پہنچانے والے تربیتی امور کو تعلیمی اداروں میں اجراء کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔(ملک کے تعلیمی وتربیتی نظام میں تحول ایجاد کرنے کے سلسلے میں کلی پالیسیوں کا ابلاغ ۳۰ اپریل ۲۰۱۳)

تربیت کے اصول

تربیتی اصولوں کو کئی مختلف زاویوں سے پرکھا جاتا ہے، یہاں پر عائلی مسائل کے تناظر میں کچھ ایسے اصولوں بیان کریں گے کہ جن کا خیال رکھنا مربی کے لئے ضروری ہے۔ آج کے معاشرے میں بچے سرکش ہوجاتے ہیں تو ان کی وجوہات یہی ہیں کہ گھر والے بطور مربی ان سے پیش نہیں آتے، وہ صرف ماں، باپ، یابہن بھائی ہونے کے ناتے ان سے رابطہ رکھتے ہیں اور ان سے اسی زاوئے سے سلوک کرتے ہیں، پیار محبت اور غم وغصہ بھی اسی انداز سے کرتے ہیں، بلکہ یہ نہیں سوچتے کہ ان کے مربی بھی ہم ہی

ہیں، ہم نے ہی ان کی تربت کرنی ہے، ان کا اخلاقی کیرئر بھی ہم نے ہی بنانا ہے۔ لہذا ضرور ہے کہ گھر والے تربیت کے ان اصولوں کے مطابق بچوں سے پیش آئیں۔ تاکہ بچہ گھر کی دہلیز سے باہر قدم رکھتا ہے تو شائستگی کا جلوہ دیکھائی دے۔

اعتدال پسندی: انسان کو زندگی کے تمام امور میں اعتدال سے کام لینے کی قرآن تلقین کرتا ہے۔ مخصوصا بچوں کی تربیت کے سلسلے میں اعتدال نہایت ضروری ہے۔ جو رویہ ہم بچوں کے ساتھ رکھتے ہیں اسی روئے سے بچے کا مزاج بنتا ہے، اگر ہم حد سے زیادہ پیار ومحبت دیتے ہیں تو یہ بھی بچے کی تربیت کے لئے درست نہیں ہے، کیونکہ بچہ بھی والدین سے حد سے زیادہ توقع رکھے گا، پھر بچہ ہر جائز اور ناجائز فرمائش کو پیش کرے گا، انکاری کی صورت میں، وہ اس قدر مایوس ہو جائے گا کہ اس کے رد عمل میں بڑے سے بڑے اقدام اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ لہذا ہر عمل کی ایک حد مقرر ہے، اصولی طور پر ہم نے تمام فیصلے معتدل مزاج سے کرنے ہوتے ہیں، جیسا کہ نام سے بھی واضح ہے، اعتدال، انتہا کا متضاد ہے، پس تربیتی عمل میں اعتدال سے کام لینا چاہئے اور افراط و تفریط سے باز رہنا چاہئے اور کسی بھی صورت انتہا پسندی کے پودے کو بچے کے ذہن میں نشو نما پانے نہیں دینا چاہئے اور قرآن کریم معتدل بھی امت کی تعریف کرتا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ معتدل بنایا ہے۔(سورہ بقرہ، آیہ ۱۴۳)رہبر معظم بھی تعلیم وتربیت کے میدان میں اعتدال مزاجی سے کام لینے کی تلقین فرماتے ہیں۔ جیسے رہبر معظم نے صوبہ فارس کے اساتذہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: میں نے کئی بار کہا ہے کہ ہم دوسروں سے کچھ سیکھنے میں شرم محسوس نہیں کرتے، بلکہ ان کی شاگردی اختیار کرتے ہیں، لیکن اس شاگردی کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ دو باتوں پر غور کرنا چاہیے، افسوس کہ پہلوی دور میں جو کہ ہمارے ملک کا خراب تہذیبی دور ہے ا،ن دو باتوں کا خیال نہیں رکھا گیا انہوں نے آنکھیں بند کرکے آغوش پھیلا دی جو بھی آیا دے کے چلا گیا انہوں نے آنکھ بن کرکے لے لیا، ان دو باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہم جو کچھ بھی لیں اسے جانچیں اور پرکھیں دیکھیں کہ وہ ہمارے لئے فائدہ مند ہے یا نہیں اگر سو فیصد ہمارے فائدہ میں ہے تو سو فیصد اسے اخذ کرلیں گے اگر سو فیصد ہمارے نقصان میں ہے تو ہم سو فیصد اسے مسترد کردیں گے اگر ان دونوں کے درمیان ہے تو جتنا ہمارے لئے مفید ہے اتنا لے لیں اور باقی والا حصہ مسترد کردیں۔(رہبر معظم کا صوبہ فارس کے اساتذہ سے خطاب)

تدریج اور استمرار

تربیت تدریجی کام ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے بشر کی ہدایت کے لئے جتنے بھی انبیاء بھیجے ان کی تعلیمات بھی فہم وادراک کے حوالے سے مساوی نہیں تھیں، اگر ہم قرآن کریم کی آیات پر غور کریں یا ان سے پہلے والی کتابوں کے مابین مقائسہ کریں تو یقینا ایک بہت بڑا واضح فرق دیکھائی دے گا۔ ہر کتاب اور صحیفہ پہلے کی نسبت زیادہ مفہوم اور پر معنی ہو گا، ایسا فرق اس لئے ہے کہ بشر

کی عقلی سطح کے مطابق اللہ نے ہدایت کی ہے، جوں جوں بشر کی عقل نے رشد کی اسی حساب سے اللہ نے کتاب بھیجی۔ لہذا بچوں کی تربیت بھی اسی الٰہی سنت کے مطابق ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ تربیت کوئی عام شکل نہیں ہے جسے ہم اپنے بچوں میں مختصر وقت میں فٹ کرنے کی کوشش کریں۔ بلکہ تربیتی امور کی درجہ بندی ہونی چاہئے، اور تدریجا ان کو سیکھانا چاہئے۔ مثال کے طور پر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا بچہ نظم وضبط میں رہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ نظم وضبط ایک مختصر مدت کا، دو ہفتوں کا منصوبہ ہے جس میں ہم اپنے بچے کو نظم و ضبط دینا شروع کردیں اور انہیں دنوں میں انہیں منظم رہنے کا کہیں۔ بلکہ بچے کو نظم سیکھانے کے لئے کلاس بندی کرنی پڑتی ہے، تدریجا اسے سیکھنا پڑتا ہے تب جاکر نظم کا عادی بنتا ہے، اور انسان جب تک کسی بھی عمل کو ہمیشہ نہیں دہراتا ہے اس کا عادی بھی نہیں بن پاتا۔ وَقَدۡ خَلَقَكُمۡ أَطۡوَارًا۔ حالانکہ اس نے تم کو مرحلہ وار (تدریجا) پیدا کیا ہے۔

رہبر معظم بھی بچوں کی تعلیم وتربیت کی کلاس بندی اور درجہ بندی کے قائل ہیں، جیسے مغرب کی جانب سے تعلیمی اور تربیتی اداروں میں کی گئی درجہ بندی اور کلاس بندی کو درست قرار دیتے ہیں: "نظام ہم نے ایک چیز سیکھی وہ یہی تعلیم تربیت تھی ان کے پاس تعلیم وتربیت کے اچھے طریقے تھے تو ہم نے بھی ان سے سیکھ لیا یہ کہ اسکول پرانے مکتب سے بہتر ہے اسکول، ہائر سکینڈری اسکول اس طرح کی درجہ بندی ٹھیک تھی اسے ہم مسترد نہیں کرتے یہ فائدہ مند ہے لیکن کتنا ہو کیا ہو کس رجحان کے تحت ہو اس پر ہم نے غور نہیں کیا اور سب کچھ ایک ایک کرکے لے لیا انہوں نے کہا چھ کلاسیں ایسی ہوں چھ ایسی ہوں ہم اسی چیز کو لے آئے پھر انہوں نے اپنا طریقہ بدلا تین کلاسیں ایسی ہوں تین ویسی تو ہم نے بھی وہی سیکھا اور اختیار کرلیا۔ ٹھیک! تو یہ کوئی بات نہیں ہوئی۔ ان کے پاس مختلف نصابی کتابیں اور مختلف دروس تھے تو کہنے لگے کہ تم بھی یہی تعلیم دو تو ہم نے بھی انھیں موضوعات کا انبار لگانا سیکھ لیا ہمارا تعلیمی نظام شکل صورت اور نصاب کے لحاظ سے پورے کا پورا تقلیدی ہے یہ صحیح نہیں ہے ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے یہ جو طریقہ ہے اس میں کہاں عیب ہے اس طریقہ میں جو نقائص ہیں ان میں سے ایک فکر وتدبر کے بجائے رٹ لگانے پر زور ہے ہمارا تعلیمی نظام رٹ لگانے پر زور دیتا ہے بچے بس مستقل رٹتے ہی رہیں۔" (رہبر معظم کا صوبہ فارس کے اساتذہ سے خطاب)

آسان بنانا: بیجا سختیاں اور مشکلات بچے کو باغی بنادیتی ہے، جب آپ بچپن میں ہی بچوں کے ذمہ مشکل کام لگادیتے ہیں جو بچے کی توان میں نہ ہوں یا بچے کو زیادہ مشقت کا سامنے کرنا پڑتا ہے تو بچہ ایسے کاموں کی انجام دہی سے دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور یہ بات بھی تجربے سے ثابت ہے کہ والدین باربار مشکل کاموں کو بچوں سے کرواتے ہیں تو بچہ بھی والدین کا کہا نہیں مانتا ہے، جس پر والدین غصے کا اظہار کردیتے ہیں، اور بچہ مشکل کاموں کے انجام نہ دینے پر والدین کا غصہ دیکھتا ہے تو وہ والدین کے اس روئے سے بے دردی کا عنصر لیتا ہے، جب بچے کے جسم میں طاقت آجاتی ہے تو بچہ بھی وہی رویہ والدین سے روا رکھتا ہے۔ لہذا بچے سے جو امور

بھی طلب کریں ان کے لئے آسان اور قابل رسائی ہونے چاہئے، مشکل اور سخت نہیں ہونے چاہئے۔يُرِيدُ ٱللَّهُ بِكُمُ ٱلۡيُسۡرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ ٱلۡعُسۡرَ ۔(سورہ بقرہ آیت ۱۸۵) خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔

اس اصول کے بارے میں بھی رہبر معظم نہات دقیق تحلیل فرماتے ہیں:"ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" (آل عمران:۱۶۴) کی آیت قرآن میں کئی بار آئی ہے ان قرآنی آیات کے علاوہ کہ جن میں تعلیم و تربیت کا کام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کیا گیا ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے" ان اللہ لم یبعثنی معنّتاً ولا متعنّتاً ولکن بعثنی معلماً میسراً"

(مسلم نیشاپوری صحیح مسلم، ج۴ ص۱۸۸؛ابن حجر، فتح الباری، ج۸ ص۴۰۱؛ متقی ہندی، کنز العمال، ج۱۱ ص۴۲۴؛)

خدا نے مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا ہے معلم میسر یعنی آسانیاں پیدا کرنے والا میں اپنے شاگردوں کی زندگی اپنی تعلیمات کے ذریعہ آسان بناتا ہوں ان کے کام آسان کر دیتا ہوں یہ آسان بنانا آسان سمجھنے سے ہٹ کر ہے یعنی سستی نہیں ہے میں معنت اور متعنت نہیں ہوں نہ خود کو زندگی کے دشوار پیچ و خم میں پھنساتا ہوں اور نہ لوگوں کو! بلکہ اپنی تعلیم کے ذریعہ لوگوں کو سیدھا، صحیح، اور مستقیم راستہ دکھاتا ہوں آسان بنانے کا مطلب یہ ہے کبھی انسان کسی ہدف تک پہنچنا چاہتا ہے تو اسے راستہ کا علم نہیں ہوتا پتھر، گرد و خاک، سانس پھلانے والی چڑھائی مستقل کبھی اوپر جاؤ تو کبھی نیچے آؤ آخر کار یا پہنچے گا یا نہیں پہونچے گا اسے تعنت کہتے ہیں ایک مرتبہ ایک آشنا اور واقف کار شخص اس کے ساتھ جاتا ہے اور پھر اس سے کہتا ہے صاحب! یہاں سے جاؤ راستہ نزدیک بھی ہے اور ہموار بھی اور یقیناً آپ کو منزل تک پہنچا دے گا "معلماً میسراً" کا مطلب یہ ہے معلم کی شان یہی ہے"۔(رہبر معظم کا صوبہ فارس کے اساتذہ سے خطاب)

تربیت کے بنیادی عوامل

فرد کی نشو و نما اور تربیت میں بنیادی اور اساسی طور پر جو عوامل کارفرما ہیں انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ تربیت کا پہلا اور بنیادی عامل گھر اور خاندان ہوتا ہے، دوسرا عامل مدرسہ ہے اور تیسرا وسیع اور موثر ترین عامل ماحول ہوتا ہے۔ تربیت کے ماہرین نے مذکورہ تین عوامل کے علاوہ بعض دوسرے عوامل مثلاً دین اور عقیدہ وغیرہ کا اضافہ کیا ہے لیکن یہ عوامل مستقل اور جداگانہ حیثیت نہیں رکھتے بلکہ پہلے تین عوامل کا حصہ قرار دئے جاسکتے ہیں۔ موضوع کے تسلسل کو باقی رکھنے کے لئے یہاں پر ہم صرف تربیت کے پہلے عامل پر قلم آٹھائیں گے تا کہ ہم اپنی تحقیق کے مطلوبہ نتیجے تک پہنچ سکے۔

خاندانی نظام

خاندانی نظام انسانی نسل کی تولید اور بقاء کا ضامن ہے۔ فرض کر لیا جائے کہ دنیا کا ہر انسان خاندانی نظام کا منکر ہو جائے، میاں، بیوی کے رشتے کو ٹھوکرا دیا جائے، ماں اپنی ممتا سے بچوں کو نکال دیں، باپ بچوں کی کفالت سے ہاتھ اٹھالیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ مرد اور عورت کے جنسی ملاپ کے ذریعے پیدا ہونے والے نوزائید بچے زندہ بھی رہ سکیں گے؟ اس کا جواب نا میں ہو گا۔ جیسے مغرب میں زنا کے باعث پیدا ہونے والے ہزاروں بچے ایک ہی دن میں موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں، کیونکہ مائیں مجبور ہو کر بچے کو پیدا ہوتے ہی کسی فٹ پاتھ یا سڑک پر پھینک دیتی ہیں۔ اب نوزائید کے جسم میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ سردی، گرمی کو تحمل کر سکے اور اپنی غذائی ضروریات کو پوری کر سکے۔ اگر دنیا کی ہر ماں اسی روش کو اپنالے تو انسان کی نسل کا ہی خاتمہ ہو جائے گا۔ لہذا عائلی نظام بچے کی زندگی کی بقاء کے لئے بھی ضروری ہے، اس کے علاوہ اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ہے کہ انسان زندگی گزارنے کے لیے دوسرے کا محتاج ہے، خصوصا بچہ پیدائش سے لے کر برسر روزگار ہونے تک کچھ زیادہ ہی والدین اور بہن بھائیوں کے لطف و کرم کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر بچے کو مناسب وقت میں مناسب غذا اور تعلیم و تربیت نہیں ملے تو، یا وہ مر جائے گا یا پھر ایک مریض، یا بے لگام انسان کی شکل میں زندہ رہے گا۔ لہذا اسلام نے بچے کی ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے خانوادگی نظام کو متعارف کروایا تا کہ اس ناتوانی کے وقت بچے کو مدد فراہم ہو سکے۔ اگرچہ اسلام کے خانوادگی نظام میں اولاد کی ولایت باپ کے ذمہ ہے، تا کہ ان کی غذا، رہن سہن اور تعلیم و تربیت کے اخراجات باپ پورا کرے۔ لیکن اسلام نے بچوں کی ضررتوں کو اس قدر درک کیا ہے کہ جب ماں باپ کے درمیان کوئی اختلاف ہو جاتا ہے، جو طلاق کے حد تک پہنچ جائے اور ان کا ایک نوزائیدہ بچہ بھی ہو تو یہاں پر بچے کے باپ کے پاس ولایت ہوتے ہوئے بھی ماں کے سپرد کرتا ہے۔ کیونکہ بچے کے لئے غذا کے طور پر ماں کا دودھ اور روح کے لئے شفقت مادری درکار ہے۔ اور اس دوران طلاق کے باوجود بچہ اور ماں دونوں کی کفالت باپ کے ذمہ قرار دیتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام بچے کو ماں کے ہی سپرد کر دیتا ہے کہ وہ اس ناتوانی کے عالم میں بچے کو غذا (دودھ) دیں۔ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ۔ (سورہ «بقرہ» کی آیت ۲۳۳) اور اس (باپ) کے لیے جس کے وہاں بچہ پیدا ہوا ہے ضروری ہے وہ ان (ماؤں) کو (دودھ پلانے کی مدت میں) مناسب طریقے سے خوراک اور لباس دے (اگرچہ وہ طلاق لے چکی ہوں)۔

اس جانب رہبر معظم بھی اشارہ فرماتے ہیں: "اولاد پیدا کرنا خواتین کا جہاد اور اہم ترین فرائض میں سے ایک ہے۔ کیونکہ بچے پیدا کرنا دراصل عورت کا فن ہے۔ عورت ہی ہے جو اس کی مشقت کو برداشت کرتی ہے، درد کو سہہ لیتی ہے، وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اولاد کی پرورش کا ذریعہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو اولاد کی پرورش کے لیے اوزار نہیں دیئے، بلکہ عورتوں کو دئے۔ اس نے انہیں اپنا صبر دیا، اس نے انہیں اپنا پیار دیا، اس نے انہیں اپنے جذبات دیئے، اس نے انہیں اپنے جسمانی اعضاء دیئے۔ دراصل یہ

خواتین کا فن ہے۔ اگر ہم معاشرے میں ان چیزوں کو نہیں بھولیں گے تو ہم ترقی کریں گے۔(بیانات در دیدار جمعی از مداحان. ۱۳۹۲/۰۲/۱۱)

ازدواجی رشتہ

دراصل ایک خانوادہ جو وجود میں آتا ہے، وہ مرد اور عورت کے ازداوجی رشتہ میں منسلک ہونے سے وجود میں آتا ہے۔ایک اچھے خانوادے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ مرد اور عورت دونوں شریک حیات کے انتخاب کے وقت ایک دوسرے کے کردار، اخلاق اور صلاحیتوں کو بھی پرکھیں تاکہ حقیقی معنوں میں ایک دوسرے کا لباس اور مدگار بن سکے۔ اس بندھن میں جوڑے درست انتخاب کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو یقیناان کی زندگی میں بہار ہی بہار آئے گی۔ جس کی تفسیر رہبر معظم نے قرآن مجید کا جملہ (لیسکن الیہا) سے کیا ہے: "خداوند عالم نے آدمی کا جوڑا اسی کی جنس سے قرار دیا ہے، عورت کا جوڑا، مرد کا جوڑا، خود ان کی جنس میں قرار دیا ہے، (لیسکن الیہا) تاکہ آدمی چاہے مرد ہو یا عورت اپنی بیوی یا شوہر کے ساتھ سکون کا احساس کرے۔(امام خامنہ ای (دام ظلہ) ۲۵/دسمبر/۱۹۹۶) زندگی کا میدان مقابلے کا میدان ہے اور انسان اس میدان میں ہمیشہ ایک طرح کے اضطراب سے دوچار رہتا ہے، یہ بہت ہی اہم چیز ہے اگر اس کا یہ آرام وسکون صحیح طریقے سے میسر رہے، اس کی زندگی کامیاب وکامران گزرے گی، بیوی خود کو خوش بخت سمجھے گی، بچے جو اس گھر میں پیدا ہوں گے اور پرورش پائیں گے کسی نفسیاتی پیچیدگی یا رکاوٹ کے بغیر پروان چڑھیں گے اور سعادتمند ہوں گے یعنی اس رخ سے تمام افراد خاندان کے لئے خوش بختی وکامرانی کی زمین فراہم ہوگی۔(امام خامنہ ای (دام ظلہ)۲۲/جولائی/۱۹۹۷)

قرآن کریم گھرانے کی تعمیر کے لئے ایک بنیادی اور اساسی معیار دیتا ہے، تاکہ نئی نسل کی تربیت کے ساتھ ایک صحیح وسالم خاندان اور عشق ومحبتوں سے بھرا ایک پرسکون ماحول والا گھرانہ وجود میں آئے۔وَٱلطَّيِّبَٰتُ لِلطَّيِّبِينَ وَٱلطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَٰتِۚ أُوْلَٰٓئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَۖ لَهُم مَّغۡفِرَةٞ وَرِزۡقٞ كَرِيمٞ (النور:۲۶)

ناپاک عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے۔ پاک لوگ ان بدگویوں کی باتوں سے بری ہیں ان کے لئے بخشش اور نیک روزی ہے۔

اس آیت مجیدہ کے مطابق اسلامی معیارات کے مطابق شادی کرنے والے نوجوانوں کو پرودگار نے تین جیزوں کی ضمانت دی ہے۔ پرسکون ماحول، رزق کی فراوانی اور پاک عشق اور سچے پیار سے بھرا گھرانہ۔

اس آیہ مجیدہ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ جوان لڑکی ہو یا لڑکا ان کو اپنے ہم کفو سے پاک عشق اور سچا پیار کرنے کی نہ صرف اجازت اسلام دیتا ہے، بلکہ اس کی طرف تلقین بھی کرتا ہے۔ تاکہ ایسے جوڑوں سے ہی ایک الفتوں بھرا گھرانہ ، پر سکون ماحول اور اولاد کی صحیح تربیت ممکن ہو جاتی ہے۔ امام خامنہ ای بھی اسی بات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔"زندگی کی حقیقتوں سے بالاتر، آرزوئیں، عشق اور محبتیں، انسانی جذبات و احساسات انسانی زندگی میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں، ان کا کردار بھی، فطری ہے، دوسرے درجے کا نہیں ہے، بلکہ وہی حقیقی کردار ہے اور اس نہایت محکم و مستحکم عمارت کا ستون بن سکتا ہے، اس کو کس طرح منظم و مرتب کریں؟ بیوی اور شوہر، ہر کسی کو اپنی جگہ اور مقام کو سمجھنا چاہئے، شوہر کو بیوی کی طرف اور بیوی کو شوہر کی طرف پاکیزہ عشق سے لبریز محبت آمیز نگاہوں سے دیکھنا چاہئے اور اس عشق کو باقی و محفوظ رکھیں، کیونکہ یہ زائل بھی ہو سکتا ہے، دوسری تمام چیزوں کی طرح زوال پذیر ہے، اس کو دل سے لگائے رکھیں حفاظت کریں کہ زائل نہ ہونے پائے۔(امام خامنہ ای ۱۲/ مارچ/ ۲۰۰۰)

شادی سے متعلق تین نظریات

انسان کی بنیادی خواہشات میں سے ایک جنسی خواہش ہے ، جس کی تسکین بھی انسانی کی صحت کے لئے ضروری ہے ، بچہ یا بچی بالغ ہونے کے بعد یقینا اس خواہش کو شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ ایسے میں ان کے پاس تین راستے ہیں یا تو وہ اپنی اس ضرورت کو بازار میں جہاں سے بھی ملے پوری کر دیں یا پھر کسی ایک عورت کو اپنی شریک حیات بنادیں ، یا پھر اپنی جنسی خواہشات کو کنٹرول کریں۔

یہ تین بنیادی نظریے ہیں کہ جن کے پیروکار آج پوری دنیا میں موجود ہیں۔

پہلا نظریہ شادی کی ضرورت سے انکار: شادی کی ضرورت سے انکار بعض دین پرستوں گرہوں کا ہے کہ وہ خواہشات کو پوری کرنا روحانی اور اخلاقی ترقی کے لئے روکاوٹ سمجھتے ہیں، بلکہ معنوی ترقی کے لئے انسانی خواہشات کو مٹانے اور فطری جذبات کو دبانے پر زور دیتے ہیں۔ تجربوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جنہوں نے شادی کو غیر اہم بتایا ہے اور شادی سے انکار کیا ہے، آخر کار وہی لوگ انسانی خواہشات اور فطری جذبات سے مغلوب ہو کر طرح طرح کی جنسی خرابیوں اور اخلاقی برائیوں کے مرتکب ہوئے ہیں حتیٰ کہ فطرت کے خلاف کاموں تک میں ملوث ہوئے ہیں اور برے نتائج اور تباہ کن حالات سے دوچار ہیں۔ یہ نظریہ نہ صرف فرد کی زندگی کو برباد کرتا ہے، بلکہ انسانی نسل کی بقاء کے فلسفے کو بھی زیر سوال لاتا ہے۔ اس نظرئے کی رد میں مزید دلائل قائم کرنے کی

ضرورت اس لئے بھی نہیں ہے کہ جنسی خواہش انسانی جسم کا حصہ ہے،اس ضرورت کو پوری کرنے کا تقاضی، عقل، سائنس، میڈیکل، علوم انسانی اور قرآن سب کرتے ہیں۔

دوسرا نظریہ عورت کی حیثیت و شخصیت کو تباہ کرکے رکھ دیتا ہے کہ عورت جو خاندان کی بنیادی رکن تھی وہ صرف مرد کی خواہش پوری کرنے کے لئے بازار، پارکوں، اور فٹ پاتھ میں رہنے والی بن جائے گی تاکہ وہ اپنے گاہکوں کو وہاں سے ڈھونڈے، جس سے عورت مردوں کی شہوت و ہوسرانی کا شکار بن جائے گی، اس نظریے کے مضر اثرات بھی انسانی معاشرے میں بلکل واضح ہو چکے ہیں، یہ وہ نظریہ ہے کہ جو فطرت انسانی کے خلاف ہے، اس کی بہترین دلیل یہی ہے کہ جو لوگ اس نظریے کے قائل ہیں وہ بھی اپنی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اپنے لئے مخالف صنف میں سے ایک کو دوست، یا شریک حیات بنا کر رکھتے ہیں، جسے نکاح کہیں یا قرارداد کہیں وہ دونوں ایک ساتھ زندگی گزارنے پر متفق ہو جاتے ہیں۔ جب انہیں میں سے ایک کو کسی اور کے ساتھ اس ضرورت کو پوری کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس کے بعد راہیں جدا کر لیتے ہیں اسے اپنے جیون سے نکال لیتے ہیں۔ اس نظرئے کے حامی افراد بھی تضاد کے شکار ہیں، یہ نظریہ ایک طرف شادی کو رد کرتا ہے، یا پھر دیر سے کرنے کی ترغیب دیتا ہے، دوسری طرف پہلے مرحلے میں ہی تربیت کے نام سے نابالغ بچے، بچیوں کو نہ صرف جنسی معلومات دیتا ہے، بلکہ انھیں جنسی آزادی کے لیے کنڈوم کی آسان ترین فراہمی موجودہ سکس ایجوکیشن کا لازمی حصہ قرار دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر جنسی تعلیم و تربیت نہ دی جائے تو، بیماریاں عام ہو جائیں گی، اور جنسی تشدد اور ریپ جیسے مسائل معاشرے میں پھیل جائیں گے۔ جنسی مسائل سے بے خبر جوڑے اولاد سے، یا پھر جنسی لذت سے محروم رہیں گے۔

تیسرا نظریہ اسلام بچوں کی شادی کے سلسلے میں مدد کرنا، ہم کفو شریک حیات کے انتخاب میں رہنمائی کرنا، نکاح سے لے کر ولیمے تک کے اخراجات میں مالی مدد کرنا والدین کے فرائض میں سے قرار دیتا ہے۔ اور اسلام خود جوانوں کو بھی شادی کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ النِّکَاحُ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔ (شعیری، محمد بن محمد، جامع الأخبار، ص ۱۰۱، مطبعة حيدرية، نجف، بی تا)۔ تاکہ انسانی معاشرہ جنسی بے راہ روی سے بچ سکے۔ اور قرآن مجید کی آیت : وَ جَعَلَ مِنها زوجها لِیسکُن الیھا'' کے مطابق تمام تر پریشانیوں اور بے سکونی سے بچنے کا ذریعہ شادی ہی ہے۔ امام خامنہ ای اس حوالے سے فرماتے ہیں: "اگر انسانوں کو آزاد چھوڑ دیا جاتا کہ وہ اپنی جنسی خواہش کو جیسے بھی چاہیں پورا کریں تو ایسے میں یا تو خانوادہ تشکیل نہ پاتا یا پھر کمزور اور بے جان ہوتا اور ہر آن تباہی اور انتشار کے خطرے سے روبرو رہتا، ہوا کا ایک ہلکا جھونکا خانوادے کو درہم برہم کر دیتا، لہذا دنیا میں جہاں کہیں بھی آپ چاہیں دیکھ لیں، جہاں جنسی آزادیاں ہیں، خاندان اتنے ہی کمزور و ناپائدار ہیں، کیونکہ مرد و عورت اپنے اس شہوانی

جذبے کی تسکین کے لئے اس مرکز (عشق و محبت) کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتے۔ اس کے لئے خاندان کی تشکیل کی ضرورت ہے، اسلام نے اس کا مطالبہ کیا ہے۔ ایک لڑکی ایک جگہ سے اور ایک لڑکا جو کسی اور جگہ سے ہے، ایک دوسرے کے ساتھ آشنائی پیدا کرتے ہیں، ایک خانوادہ وجود میں آتا ہے، یہ خانوادہ نیکیوں کا سرچشمہ بن جاتا ہے، ملک کا نظام چلانے میں، انسانیت (کا قافلہ) آگے بڑھانے کے سلسلے میں عظیم کام اس خانوادے کے ذریعے ہوئے ہیں، یہ بہت ہی اہم چیز ہے، آپ کو اس سلسلے میں خبردار رہنا چاہئے اور اس کی حفاظت کرنی چاہئے"۔ (امام خامنہ ای ۱۴/جولائی/۱۹۸۹)

اسلام بھی کلی طور پر جنسی تعلیم و تربیت کی نفی نہیں کرتا بلکہ قرآن نے کئی جگہوں پر انسان کو جنسی ملاپ کی وجہ سے پھیلنے والی معنوی اور جسمانی بیماریوں کی روک تھام یا پھر جایز طریقوں سے جنسی لطف اٹھانے کی تعلیم دی ہے۔ جیسے معاشرے کو جنسی بے راہ روی سے روکنے کے لیے تعلیم دی ہے کہ جس کا مفہوم یہ بنتا ہے "اہل ایمان مرد و عورت سے کہدو کہ اپنی نگاہیں نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، (سورہ نور ۳۱-۳۰) اور کہیں میاں بیوی کو جنسی تسکین کے حوالے سے تعلیم دیتا ہے "هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ "(سورہ بقرہ آیت ۱۸۷)

تم جس طرح سے چاہو جنسی لطف اٹھاسکتے ہو اور جنسی ملاپ سے پھیلنے والی بیماریاں جیسے ایڈز اور دیگر خطرناک جسمانی بیماریوں سے بچاؤ کے لیے تعلیم دیتا ہے کہ "لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ حیض کیا ہے تو کہہ دیجیے کہ وہ ایک گندگی کی حالت ہے جب تک وہ صاف نہ ہو جائے ان کے قریب نہ جائیں پھر جب پاک ہو جائے تو ان کے پاس جاو اس طرح جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے، بیشک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (سورہ بقرہ ۲۲۳)

مگر اسلام مغرب کی طرح بچے، بچیوں کی مخلوط کلاسوں میں ایک نوجوان معلم اور معلمہ کو فحش الفاظ کے ذریعے جنسی مسائل پر بحث کرنے سے روکتا ہے، بلکہ اسلام جنسی مسائل کو سمجھانے کے لیے اشارہ کنائے کا سہارا لینے کے ساتھ ساتھ اس کی اولین زمہ داری اگر بیٹی ہو تو ماں پر اور بیٹا ہو تو باپ کے زمے قرار دیتا ہے، تاکہ راز داری کے ساتھ بچوں کی تربیت ہو۔ اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ مغرب کی اس بے لگام آزادی اور نام نہاد بے وقت جنسی تربیت کے بغیر دنیا کے کام پہلے کیسے چل رہے تھے؟ کیا اس وقت ایڈز کا مرض موجود تھا؟، کیا انسانی نسل کا فروغ رک گیا تھا؟ کیا اس زمانے کے مرد و عورت اپنی فطری خواہشوں سے مبرا تھے؟ آخر آج کی مغرب میں ہی یہ جنسی بوت اس قدر سوار کیوں ہوا ہے کہ جو اسے آسان کرنے کے نام سے انسانی معاشرے کو شہوت کے دلدل میں دھنس رہے ہیں۔ کیا ایسا کرنے سے ان کی جنسی پیاس مٹ گئی ہے؟ اور معاشرے سے ایڈز وغیرہ جیسے خطرناک مرض اور ریپ و جنسی تشدد جیسے فسادات تھم گئے ہیں؟ نہیں بلکہ معاملے بلکل برعکس ہے۔ اسٹیٹ

ڈیپارٹمنٹ آف جسٹس کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ امریکا میں ایسے گھناؤنے واقعات برطانیہ سے ۲۰ فیصد زیادہ ہیں۔ اسی طرح امریکہ میں ہر ۴۵ سیکنڈ کے بعد ایک عورت پر جنسی حملہ کیا جاتا ہے۔ اور دس میں سے ایک آدمی بھی 'ریپ' کا شکار ہوتا ہے، جب کہ برطانیہ میں ۲۸ فیصد اور امریکا میں ۳۲ فیصد بچے بھی زیادتی کا شکار ہوتے ہیں۔ انتھونی براؤن کا خیال ہے کہ امریکا میں جنسی جرائم کے شکار لوگوں کی تعداد اس لیے زیادہ ہے کیونکہ وہاں جنس کی تعلیم بہت کم عمر سے شروع کر دی جاتی ہے۔ (ایکسپریس نیوز سائٹ)

گھر تربیت کا نرسری فارم

بچے کی سب سے پہلی تربیت گاہ گھر ہے۔ اس سلسلے میں انسانی تجربے کا حاصل یہ ہے کہ بچے کے دل و دماغ کی صاف تختی پر سب سے پہلے جو نقش کندہ ہوتے ہیں، وہ مرتے دم تک محو نہیں ہوتے اور زندگی کے ہر دور میں اپنے اثرات دکھاتے رہتے ہیں۔ اس لیے زندگی کے ابتدائی سالوں کی تربیت جو گھر کے اسکول میں سرانجام پاتی ہے، بہت اہمیت رکھتی ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے "بچپن کا تاثر پتھر کی لکیر ہوتا ہے"۔

والدین یا دوسرے سرپرستوں کو ہر وقت اس بات پر ہوشیار رہنا چاہیے کہ بچے کے دل و دماغ ہر قسم کے برے اثرات سے امکانی حد تک بچے رہیں۔ اگر غفلت کی وجہ سے بچے کے اوپر غلط اثرات پڑتے رہے اور ان کا نقش جمتا چلا گیا تو بعد میں ان کا زائل کرنا مشکل بن جائے گا۔ جو درخت پہلے روز سے ٹیڑھا ہو جائے اور اسی حالت میں بڑھتا رہے حتی کہ اس کی جڑیں پوری طرح زمین میں پیوست ہو جائیں تو پھر اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرنا بے سود ہوگا۔

فرد کی نشو و نما اور اس کے سیرت و اخلاق کی تعمیر کے ابتدائی انتظامات اسی گہوارے میں ہوتے ہیں۔ اس تربیت میں عموماً تین کردار خاص طور پر شامل ہوتے ہیں، والدین، بھائی اور بہنیں۔ وراثت سے متعلق آیات کو مد نظر رکھ کر بات کی جائے تو بعض دیگر افراد بھی ان میں شریک ہو جاتے ہیں۔ لیکن ضرورت جس بات کی ہے وہ یہ ہے کہ گھر میں تربیت کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں ،گھر کے افراد ، خصوصاوالدین بچوں کی تربیت کے لئے وقت دے پائیں ،گھر میں پیار و محبت ،خوشی اور اطمینان کی فضا قائم ہو۔گھر کے عناصر میں سب سے نازک عنصر خاتون ہے، خاتون چاہے بیوی کی شکل میں ہوں یا، ماں، بہن، بیٹی کی شکل میں، اس سے اگر کوئی مؤثر کردار مطلوب ہے تو پہلے گھر میں پرسکون ماحول فراہم کرنا ہوگا جیسے ایک سکول کے اندر ایک معلمہ کے لئے پرسکون ماحول فراہم ہوتا ہے، تاکہ بچوں کی اچھی تربیت کر سکیں۔گھر کے اعضاء مخصوصاماں اگر پڑھی لکھی، سلیقہ مند اور خود تربیت یافتہ ہے۔ تو پہلے ماں کی سب اچھی عادتیں بچے میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ رہبر معظم بھی یہی فرماتے ہیں کہ ایک خاندان کی تشکیل کے اس بنیادی عنصر کے طور پر دیکھیئے کہ گھر اگرچہ مرد و عورت دونوں سے تشکیل پاتا ہے اور دونوں ہی خاندان کی تشکیل اور حفاظت و بقا میں

موثر ہیں لیکن خاندان کے لئے امن و آسائش کا ماحول اور وہ آرام و اطمینان جو گھر کے ماحول میں فراہم ہوتا ہے عورت کی برکت اور اس کی زنانہ طبیعت کی وجہ سے ہے۔ (امام خامنہ ای ۱۶/ دسمبر / ۱۹۹۲)

ماں کے بعد باپ کا نمبر آتا ہے جو بچے کے ابتدائی ماحول میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ چنانچہ باپ کے مزاج، اس کی نشست وبرخاست، اس کے انداز گفتگو اس کی نفرت و محبت کے رویوں سے بچہ سیکھنا شروع کرتا ہے۔

رہبر معظم عورت کے لئے گھر کے امور کے علاوہ سماجی امور میں سرگرم ہونے کی تلقین کرتے ہیں، لیکن ساتھ میں اس بات کی تاکید بھی کرتے ہیں کہ سیاسی اور سماجی میدان میں عورت کو اس وقت سرگرم ہونا چاہئے جب وہ گھر میں اولاد کی تربیت کے لئے وقت دے سکتی ہو۔ کیونکہ ایک بچہ اس وقت سعادت مندجوانی سے ہمکنار ہو سکتا ہے جب کہ گھر کے افراد خاص طور پر ماں ان کے لئے وقت دے دیں۔ بچوں کی ابتدائی تربیت گھر سے باہر کے کسی فرد کے ہاتھوں انجام پانے کی بجائے، گھر کے افراد، خصوصا ماں ہی بچوں کی پہلی مربی بن جائے یہی ایک ماں کا اہم فریضہ ہے جس پر کوتاہی ایک خانوادے کی بربادی کا باعث بن سکتی ہے۔ امام خامنہ ای خوزستان کی خواتین ایسوسیشن کی ایک تقریب میں ان دو آیات "کانتا تحت عبدين من عبادنا صالحين فخانتاهما» (سورہ تحریم:۱۰) الی آخر. «و ضرب الله مثلا للّذين ءامنوا امرأت فرعون"(سورہ تحریم آیہ ۱۱)

کی روشنی میں خواتین سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: مختصر یہ کہ ہم خواتین کی اس طرح کی ملازمت اور روزگار سے اتفاق کرتے ہیں جو اس بنیادی مسئلے اور ذمہ داری پر اثر انداز نہ ہو اور اسے متاثر نہ کرے کیونکہ اس کا کوئی متبادل نہیں ہے۔ اگر ماں نے گھر میں اپنے بچے کی تربیت میں کوئی کوتاہی کی یا بچہ پیدا ہی نہ ہونے دیا، اس نے اپنے انتہائی ظریف محبت و پیار کے تاروں کو جو ریشم کے دھاگے سے بھی کہیں زیادہ باریک اور نازک ہیں اپنی انگلیوں سے نہ کھولا تاکہ بچہ کہیں ماں کی محبت کی کمی کو محسوس نہ کرے کیونکہ ماں کی محبت کی کمی کو کوئی دوسرا پورا نہیں کر سکتا، نہ باپ یہ کام کر سکتا اور نہ ہی کوئی اور شخص یہ تو ماں کا کام ہے، یہ چیزیں ماں سے مخصوص ہیں، باہر جو آپ کی ملازمت ہے، اگر اسے آپ نے انجام نہ دیا تو دوسرے دس لوگ اسے انجام دینے کے لئے مل جائیں گے۔"
(بیانات رہبر انقلاب در جلسہ درس خارج فقہ، ۲۳/۱۱/۹۱.)

ماں گھر کی بہترین معلمہ

بچے کی پہلی درس گاہ ماں کی آغوش ہے، بچے کو ماں کے ساتھ انس ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اور پھر جب آنکھ کھولتا ہے، تو پہلا چہرہ اس کے سامنے ماں کا ہی آتا ہے۔ ماں ہی ہوتی ہے جو رات، دن بچے کی تمام ضروریات کا خیال رکھتی ہے۔ چنانچہ بچہ ماں کے مزاج سے بہت زیادہ مانوس ہوتا ہے۔ بچے کے لئے یہ واحد مدرسہ ہے کہ جس سے لگاؤ خود بخود ہو جاتا ہے، وہ

ماں کے اٹھنے، بیٹھنے، اس کی حرکات وسکنات اوراس کی عادات واطوار کو اپنائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ماں کا جذبۂ ایمان جتنازیادہ ہو گا یہ درس گاہ اتنی ہی بلند معیار کی حامل ہو گی اور اس میں پلنے والے بچوں کی تربیت اتنی ہی عمدہ ہو گی۔ عربی میں ماں کو" ام" کہا جاتاہے۔یعنی ماں اپنی اولاد کے لیے سراپامحبت و شفقت ہوتی ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں عورت اگر علم وادب کی کوئی بڑی خدمت انجام نہ دے سکے تب بھی صرف اس کی ممتاہی قابل قدر ہے جس کے طفیل انسان پروان چڑھتے ہیں۔ حکیم الامت نے امومت کو رحمت کہااور اسے نبوت سے تشبیہہ دی ہے۔ماں کی شفقت کو وہ پیغمبر کی شفقت کے قریب قرار دیتے ہیں کیونکہ اس سے اقوام کی کردار سازی ہوتی ہے۔ "ایک ماں ہی اپنے بچوں کو بہترین طریقے سے تعلیم دے سکتی ہے۔ماں کی طرف سے بچے کی پرورش کرنا کلاس روم میں بچے کی پرورش کے مترادف نہیں ہے۔گھر میں بچے کی تربیت ماں کی تربیت رویے کے ذریعے، اس کی باتوں کے ذریعے، ماں کے الفت اور پیار کے ذریعے، لوری وں کے ذریعے اور خود ماں سے ساتھ رہنے سے ہوتی ہے۔ عورت جتنی نیک، عقلمند اور ذہین ہوگی بچے کی تربیت اتنی ہی بہتر ہو گی۔ اس لیے ملک میں ایمان کی سطح، خواندگی کی سطح اور خواتین کی ذہانت کی سطح کو بلند کرنے کے لیے منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔(بیانات در دیدار جمعی از مداحان ۱۱/۰۲/۲۰۱۲)

باب خاندان کا بہترین مدیر

اللہ نے خاندان کی بقاء کے لئے مرد اور عورت کی صنف میں کچھ فرق رکھاہے۔لیکن ایک دوسرے کے لئے پرکشش اور ایک دوسرے کی ضرورت بناکر خلق کیاہے۔اس طرح سے کہ بناعورت کے مرد کو جینا مزہ نہ دے اور بنامرد کے عورت کا جینابدمزہ ہوجائے اور آپس کے ارتباط کو محکم کرنے اور خاندان کے امور کو چلانے کے لئے عورت کی ساخت کو تھوڑی نازک، حساس و جذبات اور پیار و محبت کے مزاج پر رکھاہے تاکہ گھر میں محبت سے بھراماحول پیدا کریں اور مرد کی ساخت کو تھوڑی قوی، صبر و تحمل کے مزاج پر رکھاہے تاکہ گھر کی مدیریت کرے۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ۔ مرد عورتوں پر حاکم اور سرپرست ہیں۔اکثر مفسرین قوام کے معنی سرپرست، نگران بتائے ہیں۔ "قوام، یعنی جو سنجیدگی کے ساتھ کوئی کام انجام دیتاہے۔کیونکہ مرد خوشی کے حالات ہوں یاغم کے دونوں صورتوں میں جذبات کے بھنور میں بہہ نہیں جاتاہے، وہ ہر حال میں سنجیدگی کے ساتھ گھر کے امور کو سنبھالتاہے۔ جبکہ عورت مشکل اوقات میں جذبات سے کام لیتی ہے اور جلدی ہی حالات سے شکست کھاجاتی ہے۔اس لئے گھر کی سرپرستی کو اللہ نے مرد کے ذمہ عائد کیاہے اور مرد کو قوام کہنے کی تین بینادی وجوہات بھی یہی ہیں کہ فکری توانائی کو جذبات، محبت اور احساسات پر غلبہ دینا، گھر کی عزت و آبرو اور تقدس کے دفاع کے لئے جسم کا قوی ہونا، خاندان کی پرورش کے لئے مالی اخراجات کامرد کے ذمہ ہونا۔

قرآنی تہذیب کے آداب کے مطابق مرد کی حکمرانی اور بالادستی میں تسلط، ظلم وزیادتی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، بعض لوگوں کو اس آیہ سے توہم ہوا ہے کہ مرد کو عورت پر تسلط حاصل ہے، شائد لفظ "قوام" کے صحیح معنی بیان نہ کئے جانے کی وجہ سے یہ توہم ہوا ہے ۔جیسا کہ بیان ہوا یہاں پر قوام گھر کے نظام کی مدیریت، گھریلو امور کا بوجھ اٹھانے اور بیوی، بچوں کو سہولیات فراہم کرنے کے معنی میں ہے۔

اس سلسلے میں رہبر معظم کہتے ہیں" خاندان اور عورت کے سلسلے میں اسلام کی باتیں انتہائی اہم، پرکشش، اور نمایاں ہیں۔سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام عورت اور مرد کے جنسیاتی فرق کو دوسرے درجے کا مسئلہ قرار دیتا ہے۔اسلام پہلے درجہ پر انسانیت کو قرار دیتا ہے جس میں جنسی بنیاد پر کوئی فرق نہیں ہے۔ خطاب انسان سے کیا گیا ہے۔بیشک یہ ضرور کہا گیا ہے کہ "یا ایھا الذین آمنوا"یعنی اے ایمان لانے والو! مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، مونث صیغہ استعمال نہیں ہوا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس خطاب میں مرد کو عورت پر ترجیح دی گئی ہے۔اس کی دوسری وجوہات ہیں جن سے ہم اچھی طرح آگاہ اور واقف بھی ہیں۔اب میں اس بحث میں نہیں جاؤں گا کہ زبان فارسی میں کثیر تعداد میں لوگوں کے لئے ہم "مردم "کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو "مرد" کے لفظ سے مشتق ہوا ہے۔ ہم کبھی نہیں کہتے "زنم"۔ انگریزی میں بھی "ہیومن "کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو "مین" سے بنا ہے۔یہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ مردوں کے غلبہ کی وجہ سے یہ اصطلاحات رائج ہوئی ہیں اور لغت میں مردوں نے یہ تصرف کیا ہے۔ نہیں، اس کی وجہ دوسری ہے۔ بہر حال خاندان کے معاملے میں مرد کی حیثیت چھرے کی ہوتی ہے، عورت خاندان کا اندرونی حصہ ہے۔یا یوں کہیں کہ مرد بادام کا سخت چھلکا ہے اور عورت اس چھلکے کے اندر پایا جانے والا مغز ہے۔اس طرح کی مثالیں استعمال کی جاتی ہیں۔ مرد زیادہ ظاہر ہوتا ہے، اس کی خلقت ہی کچھ اسی انداز کی ہے، اللہ تعالی نے اسی ہدف کے تحت اسے پیدا کیا ہے، جبکہ عورت کو کسی اور کام کے لئے خلق فرمایا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مرد میں ظاہری اور نمائشی پہلو کو نمایاں رکھا گیا ہے، اس کی وجہ یہی خصوصیات ہیں، اس میں ترجیح اور برتری کی کوئی بات نہیں ہے"۔(رہبر معظم کا عورت اور خاندان کے موضوع پر تیسرے اسٹراٹیجک اجلاس کے شرکاء سے خطاب)

خاندان اور فرد کی آزادی

اسلام ایک کامل خانودگی نظام رکھتا ہے، اور اسی نظام کے تحت گھر کے افراد پر کچھ فرائض سونپتا ہے، حقوق دیتا ہے اور کچھ امور سے روکتا ہے۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ گھر کا ہر فرد خصوصا میاں، بیوی، ماں، باپ، بیٹا، بیٹی اور بہن، بھائی ایک دوسروں کی مالی اور عاطفی تعاون سے بے نیاز نہیں ہے، مخصوصا عورت کی ساخت کا تقاضی یہ کہ وہ بعض امور میں مرد کی طرف زیادہ محتاج ہے۔ اس لئے اسلام مرد پر زیادہ فرائض عائد کرتا ہے کہ مرد بحیثیت شوہر اپنی بیوی کے نان ونفقہ اور رہن، سہن کی ضروریات کو پورا کریں، اس کو

ذہنی اور جنسی طور پر تسکین پہنچائیں ۔اور رشتوں کے درمیان حقوق اور فرائض کی عدم ادائیگی کی صورت میں بھی اسلام ایک قانون رکھتاہے اور فرد کو اس قانون کے مطابق اقدام اٹھانے کی اجازت دیتاہے، تاکہ انسان ہونے کے واسطے فرد جو انفرادی زندگی گزارنے میں آزادی کا حق رکھتاہے اسے بھی ٹھیس نہ پہنچے۔

البتہ اسلام ایک شخص کو اس قدر آزادی بھی نہیں دیتا کہ جس کی وجہ سے پورے خانوادگی نظام، سماجی نظام اور الہی اقدار کو پاوں تلے روندڈالیں۔ جبکہ مغرب میں خانوادگی نظام اپنی حیثیت کھوچکاہے، وہ انفرادی خواہشات کو پورا کرنے کا حق بغیر کسی ملاک ومعیار کے دے دیتاہے۔ خصوصاعورت کو تمام تر گھریلو قوانین سے بالاتر سمجھتاہے، جس سے بیوی، شوہر کے خلاف اور فرد، سماج کے خلاف اور سماج، خدا کے خلاف بغاوت کرتاہے۔

امام خامنہ ای مغرب کے خاندانی نظام پر نقد کرتے ہوئے فرماتہیں کہ "البتہ یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ مغربی دنیامیں جب خاندان کا مسئلہ آتاہے تووہ پہلو تہی کرنے لگتی ہے۔ مغرب والے تمام بحثیں کرتے ہیں، عورتوں کے موضوع پر اور دیگر موضوعات پر نظریہ پردازی کرتے ہیں لیکن کبھی خاندان کے بارے میں بحث اور تبادلہ خیال نہیں کرتے۔ کیونکہ اس مسئلے میں ان کا عیب سامنے آجاتا ہے۔ وہ عورت کے مسئلے پر توبات کرتے ہیں لیکن کبھی بھی خاندان کا لفظ اپنی زبان پر نہیں لاتے۔ حالانکہ عورت، خاندان سے جدا نہیں ہے۔ لہذا اس مسئلے پر خاص توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے۔" (رہبر معظم کا عورت اور خاندان کے موضوع پر تیسرے اسٹراٹیجک اجلاس کے شرکاء سے خطاب)

ان فرد محورافکار کی وجہ سے رشتہ داروں کے باہمی تعلقات اور روابط کی قدر کم یا بلکل بے قدر ہوگئی ہے، بچے بالغ ہونے کے بعد والدین سے الگ ہوتے ہیں، میاں، بیوی معمولی اختلافات پر علاحدہ ہوجاتے ہیں، اور خونی رشتے ایک دوسرے سے اس قدر دل سرد ہوجاتے ہیں کہ ایک دوسرے کی موت پر غمگین تک بھی نہیں ہوتے ہیں۔ اس کی واضح مثال "اولڈ ایج ہوم، اور دیگر بچوں کی پرورش کے لئے بنائے گئے ادارے ہیں، جوانہی روابط کے آثار میں سے ہیں۔ ایسے معاشرے میں جہاں مامتا اور محبت کے بغیر بچہ بالغ ہوتاہے تو وہاں پر آئے دن قتل اور جرائم بڑھتے جاتے ہیں۔" مگر اسلا فرد کو گھر، گھر کو معاشرے، معاشرے کو الہی قانون کی طرف نگاہ کرکے قدم اٹھانے کی ترغیب دیتاہے تاکہ فرد کی مرضی گھر کی مرضی سے، اور گھر کی مرضی، معاشرے کی مرضی سے اور معاشرے کی مرضی، اللہ کی مرضی سے نہ ٹکراے۔ بلکہ ایک متوازن اور مناسب روش کے تحت مرضی چلانے کا حکم دیتاہے۔

اسلام کے خاندانی نظام پر ہی اعتراض کیوں؟

مسلم معاشروں میں مغرب اسلامی اخلاق وتربیت کو بیہودہ، خود ساختہ اورآزادی و حقوق کے منافی قرار دے کر نسل نو کی تربیت کے لیے اصول بنانے میں مشغول ہے۔اس کی مثال، خواتین کے حقوق اور آزادی کے نام سے حالیہ سال میں ہونے والا لانگ مارچ ہے۔ جس میں مسلم خواتین کو بچہ دانی، شادی کو پاوں کی زنجیر اور حجاب کو یہ کہہ کر رد کرنے لگے کہ " نظر تیری بری ہو پردہ میں کروں"۔ مگر سینکڑوں سال سے امریکہ میں بسنے والے یہودیوں کے رہن، سہن، ثقافت، زبان کلچر اور عایلی وخانوادگی نظام کو تبدیل نہیں کیا،اورامریکی یہودی اپنی بیٹی کو بلوغت کے حد تک پہنچتے ہی شادی کرادیتے ہیں،والدین ہی ان کی شادی کے فیصلے کرتے ہیں،ان کی عورتیں خانوادگی زندگی گزارتی ہیں، اپنادینی روایتی لباس میں ملبوس نظر آتی ہیں،اور کوئی مرد بغیرڈارھی کا نہیں ہوتا،وہ اپنی دینی عبادت اور رسومات کو بھی پابندی سے مناتے ہیں۔ بلکہ امریکی ریاست ان کے لیے یہ سہولیات بھی مہیا کرتی ہیں کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کا نصاب ان کے مذہب کے مطابق بناسکے۔اس کے باوجود مغرب اسے آزادی اور حقوق نسواں کے منافی قرار نہیں دیتا۔

آخر کیاوجہ ہے کہ مغرب کو صرف اسلامی تعلیم وتربیت، اسلامی عایلی ،وخانوادگی نظام،اور حجاب وعفاف ہی آزادی کے خلاف نظر آرہے ہیں اور صرف مسلم خواتین کی فکرانہیں ہونے لگی ہے؟وہ اس لیے کہ جب پہلے پہل میں مغرب نے مسلمان معاشروں میں قدم رکھاتومسلم بچوں کی تربیت یہودی،اورعیسای طرزمیں کرنے لگے،مگر مسلمان اپنے دین ومذہب سے شدیدلگاورکھتے تھے جس کی وجہ سے وہ جلد مسلم معاشروں میں متنفرہوگیے اس کے بعد انھوں نے اپناطریقہ کار تبدیل کیا، بجاے اس کے کہ یہودیت اور عیسایی کے مبلغ بنے، لبرازم، نیشنلزم، ڈیموکرسی اور سکولرازم جیسے مغربی نظریات کے مبلغ بن گیے۔ جیسے جے، بی گب اعتراف کرتے ہوے لکھتاہے کہ "یہ مشنریوں کے تعلیم وتربیتی ادارے تھے کہ جن کے ذریعے مغربی اقدار اور نظریات، شام، لبنان اور فلسطین وغیرہ کے علاقے میں پھیلے ہیں اوران نظریات میں سب سے زیادہ قومیت پرستی، اوردین وسیاست میں جدایی کا نظریہ موثرثابت ہوا۔(j.b gibb.syria.lebanon and jordan p ۱۱۷)

نتیجہ

اس تحقیق سے یہ نتائج آخذ ہوئے ہیں کہ امام خامنہ ای بچے کی تربیت کے لئے موثر عنصر خانوادگی ماحول کو قرادیتے ہیں اور قرآن کے تربیتی مبانی اوراصولوں کو ہی انسانی معاشرے کی سعادت کا ضامن سمجھتے ہیں۔امام خامنہ ای نے مغربی تہذیب وتمدن کے ان تمام اصولوں پر خط بطلان کھینچاہے کہ جو قرآن کے خانوادگی نظام اور تربیتی اصولوں کو بیہودہ اور خود ساختہ قرار دیتے ہیں۔امام خامنہ ای مغرب کے ان اصولوں کو بھی شدت کے ساتھ رد کرتے ہیں کہ جو کہتے ہیں:اخلاق وہی ہے جسے عوام کی اکثریت قبول کرے ،کامیاب فردوہی ہے جس کے پاس اچھی ملازمت، اچھی مہارت یابہت سارا پیسہ ہو،یاخونی رشتوں کا تقدس، آپس میں الفت، محبت اورایثاروقربانی کا جذبہ پیدا کرنایاوالدین اور شوہر کے حکم پر عمل کرنے کو آزادی کے خلاف تصور کرتے ہیں۔

منابع:

۱۔قرآن کریم

۲۔ طباطبایی، محمد حسین، تفسیر المیزان، قم،اسماعلیلیان، بی تا

۳۔ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت، دار صادر

۴۔ شیرازی ناصر مکارم، تفسیر نمونہ، طہران، دارالکتب الاسلامیہ، ۱۳۵۳ش

۵۔راغب اصفہانی، مفردات القرآن، بیروت

۶۔ دکتر محمد داودی، تاملی در ہدف تربیت اعتقادی،jurnals.rihu,ac.ir

۷۔ ابولفضل ساجدی باہمکاری حسین خطیبی، تربیت اعتقادی وشاخص ھای آن، تہران، مرکز بررسی ھای استراتژیک

۸۔سائٹ لیڈر ڈاٹ آئی آر

۹۔سائٹ خامنہ ای ڈاٹ آئی آر

۱۰۔ابو محمد غزالی کیمیای سعادت، ج ۲،انتشارات نگاہ،۲۰۱۸ء

۱۱۔سائٹ دانشنامہ اسلامی،https://wiki.ahlolbait.com /

۱۲۔سائٹ حدیث معرفت،https://hadithmarefat.blog.ir /